ماہنامہ السنۃ جہلم، شمارہ نمبر ۳۳
شعبان۱۴۳۲ھ، الموافق جولائی ۲۰۱۱ء

نماز میں بھول کر کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اس پر دلائل ملاحظہ فرمائیں :

دلیل نمبر ① : سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

صلّى بنا رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم إحدى صلاتي العشيّ ، قال ابن سيرين : قد سمّاها أبوهريرة ولكن نسيت أنا ، قال : فصلّى بنا ركعتين ، ثمّ سلّم ، فقام إلى خشبة معروضة في المسجد فاتّكأ عليها ، كأنّه غضبان ، ووضع يده اليمنى على اليسرى ، وشبک بين أصابعه ، ووضع خدّه الأيمن على ظهر كفه اليسرى ، وخرجت السرعان من أبواب المسجد فقالوا قصرت الصلاة . وفي القوم أبو بكر وعمر ، فهابا أن يكلّماه ، وفي القوم رجل في يديه طول يقال له ذو اليدين قال يا رسول اللّٰه ، أنسيت أم قصرت الصلاة قال لم أنس ، ولم تقصر . فقال : أكما يقول ذو اليدين ، فقالوا نعم ، فتقدّم فصلّى ما ترک ، ثم سلم ، ثم كبر وسجد مثل سجوده أو أطول ، ثم رفع رأسه وكبّر ، ثم كبر وسجد مثل سجوده أو أطول ، ثمّ رفع رأسه وكبر ، فربّما سألوه : ثمّ سلّم ؟ فيقول : نبّئت أنّ عمران بن حصين قال : ثمّ سلّم .

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی ۔[راوی ابن سیرین کا بیان ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس نماز کی تعیین کی تھی لیکن میں ہی بھول گیا ہوں]۔آپ ﷺ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں ، پھر سلام پھیر دیا۔آپ ﷺ مسجد میں پڑی ہوئی ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے ۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ غصے میں ہیں۔آپ نے اپنا داہنا

ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ہوا تھااور انگلیاں ایک دوسری میں ڈالی ہوئی تھیں اور اپنے دائیں رخسار مبارک کو اپنی بائیں ہتھیلی کی باہر والی جانب پر رکھا ہوا تھا۔ جلدی والے لوگ یہ کہتے ہوئے مسجد سے نکل گئے کہ نماز کم ہوگئی ہے۔ مسجد میں موجود لوگوں میں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے سے ڈر رہے تھے۔ لوگوں میں ایک ایسا آدمی موجود تھا جس کے ہاتھ لمبے لمبے تھے، اسے ذوالیدین کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس نے عرض کیا : اے اللہ کے رسول ! کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم ہو گئی ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : نہ میں بھولا ہوں نہ نماز کم ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے : کیا بات ایسے ہی ہے جیسے ذوالیدین کہہ رہے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا : جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور جو نماز چھوڑی تھی پڑھا دی ، پھر سلام پھیرا ، پھر تکبیر کہہ کر اپنے عام سجدے کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ کیا ، پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی ، پھر تکبیر کہہ کر اپنے عام سجدے کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ کیا ، پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی۔ [بسا اوقات شاگرد اپنے استاذ ابن سیرین سے سوال کرتے کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سجدۂ سہو کے بعد) سلام پھیرا تھا؟ آپ فرماتے : مجھے یہ بات بتائی گئی ہے کہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا]۔''

(صحیح البخاری : ۶۹/۱، ح : ۴۸۲، واللفظ لہٗ، صحیح مسلم : ۲۱۳/۱، ح : ۵۷۳)

قارئین کرام ! یہ حدیث مبارکہ ''حدیثِ ذوالیدین'' کے نام سے مشہور ہے، کیونکہ اس میں ذوالیدین نامی صحابی کا ذکر ہے۔ یہ متفق علیہ حدیث علم دین کا خزینہ اور گنجینہ ہے۔ دین کے بڑے بڑے مسائل و احکام اور اصول اس سے ثابت ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے یہ سمجھ کر سلام پھیر دیا کہ میں نے نماز مکمل کر لی ہے، جبکہ اس کی نماز ایک رکعت یا دو رکعتیں باقی تھی۔ سلام پھیرنے کے بعد اس نے گفتگو بھی کر لی تو یہ بھول کر کلام کرنے والا شخص یاد آنے پر اپنی پہلی پڑھی ہوئی نماز پر بنیاد ڈالتے ہوئے اپنی

نماز پوری کر لے گا۔ اس کو دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

اس موقف کے بارے میں حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۳۱۔۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

''یہ جمہور علمائے سلف وخلف، نیز تمام کے تمام محدثین کا مسلک ہے۔''

(شرح صحیح مسلم للنووی: ۲۱۴/۱)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی نماز کے اندر بھول کر کلام کر لے یا لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ایسا کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ اس کو نماز دوہرانے کی حاجت نہیں۔ اس متفق علیہ حدیث کے بارے میں احناف کا نظریہ یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور کلام کی حرمت سے پہلے کی ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ متاخرین احناف تو اسے ''مضطرب'' بھی قرار دیتے ہیں۔

علامہ نیموی حنفی (م۱۳۲۲ھ) لکھتے ہیں: **مضطربة بوجوه .**

''یہ کئی طرح سے مضطرب ہے۔''(التعلیق الحسن : ص ۱۷۵)

جناب تقی عثمانی دیوبندی صاحب اس حدیث کے ''مضطرب'' ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ اضطرابات اتنے شدید ہیں کہ بعض محدثین نے اس واقعہ کو ان اضطرابات میں شمار کیا ہے جن کی تطبیق ممکن نہیں۔''(درس ترمذی: ۱۶۱/۲)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام احادیث کے صحیح ہونے پر امتِ مسلمہ کا اتفاق و اجماع ہے جو کہ احناف کے تمام علماء کو بھی مسلّم ہے۔ ''مضطرب'' حدیث ''ضعیف'' حدیث کی ہی ایک قسم ہے۔ اجماع امت کے خلاف اس حدیث کو ''مضطرب'' قرار دینا شاید سوائے نفس پرستی کے کسی اور نام سے موسوم نہ ہو سکے۔ مقلدین میں یہ رواج عام طور پر پایا جاتا ہے کہ جو حدیث ان کے مذہب کے خلاف ہو، وہ اسے ''مضطرب'' اور منسوخ قرار دے دیتے ہیں۔ حالانکہ کسی حدیث کو ''مضطرب'' یا منسوخ قرار دینا مقلدین کا کام نہیں، کیونکہ یہ ان کا فن ہی نہیں۔ مقلدین فن حدیث کی نعمت سے محروم ہیں۔ اس سلسلے میں

جہابذہ علماء اور مجتہدین محدثین کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔حافظ علائی رحمہ اللہ (۶۹۴۔۷۶۱ھ) نے کیا خوب فرمایا ہے کہ: وهذا الفنّ أغمض أنواع الحديث وأدقّها مسلكا ، ولا يقوم به إلّا من منحه اللّٰه تعالىٰ فهما غايصا واطّلاعا حاويا وإدراكا لمراتب الرواة ومعرفة ثاقبة ، ولهذا لم يتكلّم فيه إلّا أفراد أئمّة هذا الشأن وحذّاقهم ، وإليهم المرجع فى ذلک لما جعل اللّٰه فيهم من معرفة ذلک ، والاطّلاع على غوامضه دون غيرهم ممّن لم يمارس ذلک.

''یہ فن فنونِ حدیث میں سے سب سے پیچیدہ اور مشکل ہے۔ اس میں وہی لوگ کام کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے گہرا فہم، وسیع اطلاع، راویوں کے طبقات کے بارے میں اچھی خاصی سمجھ بوجھ اور روشن معرفت سے نوازا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں فن حدیث کے بڑے بڑے ائمہ اور ماہرین نے ہی کلام کی ہے۔ اضطراب کو جاننے کے لیے انہی ائمہ دین کی طرف ہی رجوع کیا جانا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی معرفت دی ہے اور انہیں اس فن کی پیچیدگیوں پر مطلع کیا ہے۔ اس سلسلے میں دوسرے لوگوں کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے جنہیں اس فن میں مہارت نہیں ہے۔''

(النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجر : ۷۱٤/۲)

نیز شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

ومن تأمّل ألفاظ الصحابة وجمع الأحاديث بعضها إلى بعض واعتبر بعضها ببعض، وفهم لغة الصحابة أسفر له صبح الصواب وانقشعت عنه ظلمة الاختلاف والاضطراب، واللّٰه الهادى لسبيل الرشاد والموفّق لطريق السداد .

''جو شخص صحابہ کرام کے الفاظ پر غور کرے اور احادیث کو جمع کر کے ان کے سارے طرق اکٹھے کرے اور صحابہ کرام کی لغت کو سمجھے، اس کے لیے درستی کی صبح روشن ہو جاتی ہے اور اس سے اختلاف و اضطراب کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سیدھے

راستے کی طرف ہدایت دینے والا اور درست سمت چلنے کی توفیق عطا کرنے والا ہے۔''

(زاد المعاد لابن القیم : ۱۲۱/۲)

قارئین کرام ! آیئے اس تفصیل کے بعد حدیثِ ذوا لیدین پر بعض الناس کے اعتراضات اوران کے جوابات ملاحظہ فرمائیں :

اعتراض نمبر ① : بعض روایات میں نمازِ ظہر، بعض میں عصر، بعض میں ظہر یا عصر کا ذکر ہے۔ راویٔ حدیث امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

أکثر ظنّی أنّھا العصر . ''میرا غالب گمان ہے کہ یہ عصر کی نماز تھی۔''

جواب : اس اختلاف سے کچھ فرق نہیں پڑتا، نیموی حنفی خود لکھتے ہیں :

لکنّہ لا شکّ أنّ روایۃ العصر أرجح لتوافق أکثر الروایات علیھا .

''لیکن بلاشبہ عصر والی روایت راجح ہے کیونکہ اکثر روایات اس کے موافق ہیں۔''

(التعلیق الحسن علی آثار السنن للنیموی : ۱۷۶)

اصول حدیث کے مطابق اضطراب کے سلسلے میں یہ بات بنیادی ہے کہ جب کوئی ایک روایت کسی قرینے کی بنا پر راجح قرار پا جائے تو اضطراب ختم ہو جاتا ہے اور راجح روایت قابلِ عمل ہوتی ہے۔

حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دو نمازوں ظہر اور عصر میں سے کوئی ایک نماز تھی۔ حافظ علائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **الظاھر أنّ حدیث أبی ھریرۃ قضیّۃ واحدۃ ، ولکن اختلف رواتھا ، فمنھم من تردّد فی تعیین الصلاۃ ھل ھی الظھر أو العصر ، ومنھم من جزم بإحداھما ، والعلم عند اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ .**

''ظاہراً تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک ہی واقعے سے متعلق ہے۔ البتہ اس کے راویوں میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے نماز کی تعیین میں تردّد کا اظہار کیا

ہے اور بعض نے کسی ایک کو بالجزم بیان کر دیا ہے۔ واللہ اعلم!''

(نظم الفرائد : ص ۹٦، بالاختصار)

علامہ عبدالرحمٰن بن یحییٰ معلّمی یمانی (م ۱۳۸٦ھ) اس بارے میں فرماتے ہیں :

ذلک لا یوجب اختلافا فی المعنی المقصود ، فإنّ حکم الصلوات فی السهو واحد . ''اس سے معنی مقصود میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہوتا کیونکہ بھولنے کی صورت میں تمام نمازوں کا حکم تو ایک ہی ہے۔''(الانوار الکاشفة للعلمی : ص ۲٦۲)

اعتراض نمبر ۲ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دو رکعتوں کے بعد سلام کا ذکر کرتے ہیں جبکہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : **إنّ رسول الله صلّی الله علیه وسلّم صلّی العصر ، فسلّم فی ثلاث رکعات .**

''نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعات ادا کرنے کے بعد سلام پھیر دیا۔''

(صحیح مسلم : ۲۱٤/۱، ح : ۵۷٤)

جواب : امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (صحیح ابن خزیمہ : ۱۲۹/۲) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (صحیح ابن حبان : ۳۹۷/٦) نے اس معاملے کو متعدد واقعات پر محمول کیا ہے، یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ واقعہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ واقعے سے جدا ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی تعارض نہیں۔

اعتراض نمبر ۳ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

ثمّ سلّم ، فقام إلی خشبة معروضة فی المسجد فاتّکأ علیها .

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا اور مسجد میں پڑی ہوئی ایک لکڑی کے پاس کھڑے ہو کر اس پر ٹیک لگا لی۔''(صحیح البخاری : ۹٦/۱، ح : ٤۸۲، صحیح مسلم : ۱۲۱/۱، ح : ۵۷۳)

جبکہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: **إنّ رسول الله صلّی الله**

علیه وسلّم صلّی العصر ، فسلّم فی ثلاث رکعات ، ثمّ دخل منزله .

''رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز ادا کی اور تین رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا ، پھر آپ ﷺ اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔''(صحیح مسلم : ۲۱٤/۱، ح : ٥٧٤)

دونوں احادیث میں نماز سے سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے قیام کے حوالے سے دو مختلف جگہوں کا ذکر ہے۔

جواب : گزشتہ سطور میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ بجائے تعارض کے ان احادیث میں دو الگ جگہوں کا ذکر ہونا تو اس بات کو مزید تقویت دیتا ہے کہ یہ دو جُدا جُدا واقعات ہیں، لہٰذا ان میں الفاظ کا اختلاف مُضر نہیں۔

اعتراض نمبر ④ : بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا ، پھر دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد سجدۂ سہو کیا تھا۔ جبکہ سنن ابوداؤد (۱۰۱۵) میں ہے: **فرکع رکعتین آخریین ، ثمّ انصرف ، ولم یسجد سجدتی السهو .** ''آپ ﷺ نے آخری دو رکعتیں ادا کیں ، پھر آپ نے سلام پھیرا اس حال میں کہ سہو کے دو سجدے نہیں کیے تھے۔''

جواب : ان دونوں روایات میں بھی قطعاً کوئی تعارض اور منافات نہیں ہے کیونکہ سنن ابوداؤد والی روایت میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کی نفی ثابت ہوتی ہے ، یعنی آپ ﷺ نے سجدۂ سہو سلام پھیرنے سے پہلے نہیں کیے بلکہ بعد میں کیے ہیں جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد یہ دو سجدے کیے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ بھی یہی باور کرا رہے ہیں۔

سنن نسائی کی ایک روایت (۱۲۳۳) میں یہ ذکر ہے کہ **لم یسجد رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یومئذ قبل السلام ولا بعده .** ''اس دن رسول اللہ ﷺ

نے نہ سلام سے پہلے سجدۂ سہو کیا نہ بعد میں۔''

یہ روایت امام زہری رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' کی بنا پر ''ضعیف'' ہے، سماع کی تصریح ثابت نہیں ہو سکی، لہٰذا اس روایت کو بخاری و مسلم کی روایات کے تعارض میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

فائدہ : نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھولنے کے حوالے سے روایات کو متعدد واقعات پر محمول کیے جانے کے بارے میں علامہ نیموی حنفی لکھتے ہیں:

هذا قول لا يرتضيه الناظر ولا يطمئنّ به الخاطر ، لأنّ السائل وسياق سواله وسياق ما أجاب به النبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم وما استفهم به الصحابة، كلّ ذلک متّحد فى هذه الروايات ، وقد كان ابن سيرين يرى التوحيد بين حديث أبى هريرة وعمران لأنّه قال فى آخر حديث أبى هريرة : نبّئت أنّ عمران بن حصين رضى اللّٰه عنه قال : ثمّ سلّم . ''اس بات کو دیکھنے والا پسند نہیں کرتا نہ اس سے دل مطمئن ہوتا ہے کیونکہ سوال کرنے والے کے سوال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا سیاق اور صحابہ کرام کا فہم تمام روایات میں ایک جیسا ہے۔ امام ابن سیرین بھی ان روایات کو ایک ہی واقعہ سمجھتے تھے کیونکہ انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے آخر میں فرمایا: مجھے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا۔'' (التعلیق الحسن للنیموی : ۱۷۵۔۱۷۶)

جواب : قارئین کرام اس بات کو پسند کرتے ہیں یا نہیں، یہ معاملہ ہم انہی پر چھوڑتے ہیں۔ رہا نیموی صاحب کا یہ کہنا کہ ان روایات کو متعدد واقعات پر محمول کرنے سے دل مطمئن نہیں ہوتا، کچھ مُضر نہیں کیونکہ اس بات پر محدثین کرام مثلاً امام ابنِ خزیمہ اور امام ابنِ حبان رحمہما اللہ کا دل مطمئن ہو گیا ہے، اب نیموی صاحب کا دل مطمئن ہونا ضروری نہیں۔

رہی یہ بات کہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ ان سب روایات کو ایک ہی واقعہ سمجھتے تو یہ بات درُست نہیں کیونکہ اس پر دلیل یہ دی گئی ہے کہ انہوں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ، پھر سجدۂ سہو کے بعد سلام پھیرنے کے سوال پر انہوں نے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ دیا۔ اس سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام محمد بن سیرین ان روایات کو ایک ہی واقعہ سمجھتے تھے ، بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ چونکہ ان تمام روایات میں سجدۂ سہو کا معاملہ بیان ہوا ہے ،اس لیے امام محمد بن سیرین نے سوال کا جواب دینے کے لیے سب واقعات سے برابر استدلال کیا۔ واقعات دو ہوں یا زیادہ ، جب مسئلہ ایک ہوتو سب روایات سے یکساں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی حرج والی بات نہیں۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ کا خیال یہ ہوگا کہ اگرچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت میں سجدۂ سہو کے بعد سلام کا ذکر نہیں ہوا لیکن سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت بھی تو سجدۂ سہو کے بارے میں ہی ہے، اس میں تو ذکر موجود ہے، لہٰذا سجدۂ سہو کے بعد سلام پھیرنا چاہیے۔

اعتراض نمبر ⑤ : ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ یہ دونوں نام سنن نسائی (۱۲۲۹، وسندہ صحیح) میں ثابت ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ذوالشمالین صحابی بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ معرکہ بدر دو ہجری میں ہوا تھا، لہٰذا واقعہ ذوالیدین بہت پہلے کا ہے (صحیح ابن حبان : ۲۶۸۸) جب نماز میں گفتگو کرنا منسوخ نہیں ہوا تھا۔

جواب : اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ذوالیدین کو ذوالشمالین بھی کہتے ہیں لیکن یہ وہ نہیں ہیں جو بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ یہ دو الگ الگ شخصیات ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ کا سجدۂ سہو والی حدیث میں مذکور ذوالشمالین کو وہی شخصیت قرار دینا جو بدر میں شہید ہو گئے تھے، ان کا وہم ہے، جیسا کہ اتفاقی طور پر تمام محدثین نے صراحت کی ہے:

① حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **المقتول ببدر ذو الشمالين ، وهو غير المتكلّم حديث السهو ، هذا قول الحفّاظ كلّهم وسائر العلماء إلّا الزهريّ فقال : هو هو ، واتّفقوا على تغليط الزهريّ في هذا .** ''ذوالشمالین جو بدر کے معرکہ میں شہید ہوئے تھے، وہ وہی شخصیت نہیں ہیں جنہوں نے سجدۂ سہو والی حدیث میں بات کی ہے۔ امام زہری کے علاوہ تمام حفاظِ حدیث اور علمائے کرام کا یہی کہنا ہے۔امام زہری کے بقول یہ وہی شخصیت ہیں۔ تمام حفاظ اور علمائے کرام نے اس بارے میں امام زہری کی بات کو بالاتفاق غلط قرار دیا ہے۔''

(خلاصة الاحكام فى مهمات السنن وقواعد الاسلام للنووى : ٦٣٥/٢)

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (٣٦٨۔٤٦٣ھ) فرماتے ہیں: **فليس قول ابن شهاب أنّه المقتول ببدر حجّة لأنّه قد تبيّن غلطه في ذلك .**

''امام ابن شہاب زہری کا اسے بدر کا شہید کہنا قابل حجت نہیں کیونکہ اس بارے میں ان کی غلطی واضح ہو چکی ہے۔''(التمهيد لابن عبد البر : ٣٦٤/١)

امام مسلم بن حجاج نیسابوری رحمہ اللہ (٢٠٤۔٢٦١ھ) اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

وخبر ابن شهاب هذا في قصّة ذي اليدين وهم غير محفوظ لتظاهر الأخبار الصحاح عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم .

''ابن شہاب زہری کا ذوالیدین کے قصے کے بارے میں بیان وہم اور غیر محفوظ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث اس بارے میں واضح ہیں۔''(التمييز للامام مسلم : ٤٥)

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں: **فذو اليدين غير ذي الشمالين المقتول ببدر بدليل ما في حديث أبي هريرة ومن ذكرنا معه من حضورهم تلك الصلاة .** ''ذوالیدین صحابی وہ ذوالشمالین نہیں ہیں جو بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان کا تذکرہ

موجود ہے، نیز ہم نے ذکر کیا ہے کہ وہ صحابہ کرام کے ساتھ اس نماز میں حاضر تھے۔''

(التمهيد لابن عبد البر : ۳٦۳/۱)

اعتراض ⑥ : سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کہ:

انّه ذكر له حديث ذى اليدين ، فقال : كان إسلام أبى هريرة رضى الله عنه بعد ما قتل ذو اليدين . ''ان کے سامنے ذوالیدین والی حدیث ذکر کی گئی تو انہوں نے فرمایا: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہی ذوالیدین کے شہید ہونے کے بعد ہوئے تھے۔''(شرح معانى الآثار للطحاوى : ۴۵۰/۱)

جواب : اس اثر کی سند عبد اللہ بن وہب مصری کی ''تدلیس'' کی بنا پر ''ضعیف'' ہے۔ وہ بصیغۂ عن اسے روایت کر رہے ہیں، سماع کی تصریح نہیں مل سکی۔ مسلّم اصول ہے کہ مدلس راوی جب بخاری و مسلم کے علاوہ بصیغۂ عن ، قال ، روی یا ذکر روایت کرے تو اس کی روایت ''ضعیف'' ہوتی ہے تاوقتیکہ وہ کسی سند میں سماع کی تصریح نہ کردے۔

خود واقعہ ذوالیدین میں بھی بعض ایسے دلائل موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مذکور ذوالشمالین وہ نہیں ہیں جو بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ بدر میں شہید ہونے والے ذوالشمالین نامی صحابی کے بارے میں سوائے علم مغازی رکھنے والے علماء کی تصریحات کے کچھ ثابت نہیں۔ باسند صحیح اس بارے میں کوئی ایک روایت بھی نہیں ملتی۔

اعتراض ⑦ : امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

صلّى عمر رضى الله عنه بأصحابه فسلّم فى الركعتين ، ثمّ انصرف ، فقيل له ذلک ، فقال : إنّى جهّزت عيرا من العراق بأحمالها وأحقابها حتّى وردت المدينة ، فصلّى بهم أربع ركعات . ''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے

ساتھیوں کو نماز پڑھائی اور دو رکعتوں بعد سلام پھیر دیا۔ پھر واپس پلٹنے لگے تو ان سے اس بارے میں بات کی گئی۔ آپ نے فرمایا: میں نے (نماز کے اندر خیالات میں) عراق سے سامان سے لدا پھندا ایک قافلہ تیار کیا حتی کہ وہ مدینہ میں آ گیا (اسی وجہ سے نماز میں بھول گیا)۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو چار رکعتیں پڑھائیں۔'' (شرح معانی الآثار : ۱/٤٤٨)

واقعہ ذوالیدین میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے اور وہ خود از سر نو چاروں رکعتیں پڑھا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالیدین والا واقعہ نماز میں کلام کے منسوخ ہونے سے پہلے کا ہے، ورنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ باقی دو رکعتیں ہی پڑھانے پر اکتفا کرتے۔

جواب : یہ اثر بلحاظِ سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کی روایت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ''منقطع'' ہوتی ہے۔ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تو درکنار سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ بھی نہیں پایا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ (۳۸۴۔۴۵۸ھ) فرماتے ہیں : **عطاء عن عمر بن الخطّاب منقطع .** ''عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کی روایت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منقطع ہے۔'' (السنن الکبری للبیهقی : ۱۰/۱۹۸، نصب الرایة للزیلعی : ۳/۱۲٦)

رہا مسئلہ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کی مراسیل کا تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۱۶۴۔۲۴۱ھ) فرماتے ہیں : **أمّا الحسن وعطاء فلیس هی بذلک ، هی أضعف المرسلات ، لأنّهما کانا یأخذان عن کلّ أحد .** ''رہی حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح رحمہما اللہ کی مرسل روایات تو وہ بے فائدہ ہیں اور وہ سب مرسلات سے بڑھ کر ضعیف ہیں کیونکہ یہ دونوں ہر (ثقہ وضعیف) سے روایت لیتے تھے۔''

(المعرفة والتاریخ للفسوی : ۳/۲۳۹، السنن الکبری للبیهقی : ٦/٤٢، الکفایة فی علم الروایة للخطیب : ۳۸٦، وسندهٗ صحیحٌ)

ثابت ہوا کہ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کی مرسل روایات امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک ''ضعیف'' ترین ہیں۔ خود امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (۲۳۸۔۳۲۱ھ) ایک دوسری روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: **حديثا منقطعا لا يثبته أهل الخبر لأنّهم لا يحتجّون بالمنقطع .** ''یہ حدیث منقطع ہے، اسے محدثین کرام ثابت نہیں سمجھتے کیونکہ وہ منقطع روایت سے حجت لینے کے قائل نہیں۔''(شرح معانی الآثار: ۱۰۳/۱)

لہٰذا اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ ذوالشمالین نامی صحابی وہی ہیں جو بدر کے شہداء میں سے تھے۔ حدیث ذوالیدین کے ''مضطرب'' اور منسوخ ہونے کے حوالے سے سارے کے سارے شبہات کافور ہو گئے ہیں۔ وللہ الحمد والمنۃ

دوراز کار تاویلات اور ان کا تجزیہ

اتنی صراحت کے بعد بھی اس واقعے کو نماز میں کلام کے منسوخ ہونے سے پہلے کا ثابت کرنے کے لیے مقلدین نے بہت سی دُور از کار تاویلات بھی کی ہیں۔ آیئے ان کا جائزہ لیتے ہیں:

تاویل ①: یہ اتفاقی بات ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ ہجری میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، لہٰذا یہ واقعہ ۷ ہجری یا اس کے بعد کا ہے جس میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خود موجود تھے، کیونکہ اس حدیث میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

صلّى بنا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم . ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔''(صحیح البخاری: ۹۶/۱، ح: ۱۲۲۷، صحیح مسلم: ۲۱۳/۱، ح: ۵۷۳)

ان الفاظ کی تاویل کرتے ہوئے امام طحاوی حنفی لکھتے ہیں کہ **صلّى بنا** سے مراد **صلّى بالمسلمين** ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی: ۴۵۰/۱)

جواب : یہ تاویل بالکل باطل ہے۔ حدیث کے واضح الفاظ کو بغیر کسی دلیل اور قرینے کے حقیقی معنیٰ سے پھیر کر مجازی معنیٰ کی طرف لے جانا عام حالات میں بھی کسی طور درست نہیں، چہ جائیکہ اس کے حقیقی معنیٰ کے دلائل بھی موجود ہوں۔

اس حنفی تاویل کا ردّ خود سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کے الفاظ سے ہو جاتا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم (۲۱۴/۱) میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے :

بینما أنا أصلّی مع رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم . ''اس دوران کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کر رہا تھا۔''

یہ نص قطعی ہے اس بات پر کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ واقعہ ذوالیدین میں خود موجود تھے اور یہ مسلّم امر ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نماز میں کلام کے منسوخ ہونے کے بہت بعد ۷ ہجری میں مسلمان ہوئے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ، امام طحاوی حنفی کی تاویل کے جواب میں لکھتے ہیں :

إن جاز لک فیه مع ترک الظاهر لم یجز فی قوله : بینما أنا أصلّی مع رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم . ''ظاہری و حقیقی معنیٰ کو چھوڑنے کے باوجود آپ کے لیے یہ تاویل اگرچہ ممکن ہو گئی تھی لیکن سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ میں کوئی تاویل ممکن نہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کر رہا تھا۔''

(معرفة السنن والآثار للبیهقی : ۴۷۶/۳)

یعنی کوئی صحابی کسی واقعے میں شریک نہ ہو لیکن وہ جمع متکلم کا صیغہ استعمال کر کے مسلمانوں کو مراد لے ، اس کو تسلیم کر بھی لیں تو یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صریح الفاظ کے ساتھ اس واقعے میں اپنی موجودگی کی اطلاع دے رہے ہیں۔ اس ٹھوس دلیل کا کوئی جواب نہیں ۔

جناب تقی عثمانی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں : ''یہود مدینہ کے اخراج کے بارے میں خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے : **بینما نحن فی المسجد إذ خرج إلینا رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ، فقال : ((انطلقوا إلی یھود))** (ہم مسجد میں تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا : یہودیوں کی طرف پیش قدمی کرو۔) حالانکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بنوقریظہ کے بہت بعد اسلام لائے۔''

(درس ترمذی از تقی : ۱۵۷/۲)

جواب : یہ بات جناب تقی عثمانی صاحب کی جہالت پر مہر ثبت ہے۔ اپنی فقہ کی حمایت اور حدیث کی مخالفت میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ کیا کہہ رہے ہیں؟ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ ادھر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ **بینا نحن فی المسجد** کہہ رہے ہیں جب کہ وہ اس وقت مسجد میں موجود نہ تھے، کیونکہ بنوقریظہ ان کے اسلام لانے سے بہت دیر پہلے ہی جلا وطن ہو چکے تھے ، لہٰذا وہ واقعہ ذوالیدین میں موجود نہ تھے۔ انہوں نے **صلّی لنا** کہہ کر مسلمین کی جماعت مراد لی ہے۔ ہماری ان سے گزارش ہے کہ وہ ذرا ہوش میں آئیں اور اپنے ملا علی قاری حنفی (م۱۰۱۴ھ) کی بات بھی سنیں۔ وہ کہتے ہیں : **والخطاب لمن بقی فی المدینۃ ومن حولھا من الیھود بعد إخراج بنی النضیر و قتل بنی قریظۃ .** ''یہ خطاب ان لوگوں کے متعلق ہے جو مدینہ اور اس کے گرد ونواح میں بنونضیر کی جلاوطنی اور بنوقریظہ کے قتل کے بعد باقی رہ گئے تھے۔''(المرقاۃ : ۲۹٤/۱۲)

بنوقریظہ وغیرہ کا اخراج سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے ہو چکا تھا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ وہ مدینہ کے باقی ماندہ یہودیوں کے بارے میں تھا۔ اور اس واقعہ کے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ عینی شاہد ہیں۔ لہٰذا **صلّی لنا** کے بارے میں بعض

الناس کی یہ تاویل باطل ٹھہری۔

تاویل ②: جناب تقی عثمانی دیوبندی صاحب نے **بینا أنا أصلّی مع النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم** کی تاویل میں دو باتیں ذکر کی ہیں۔ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ یہ راوی کا تصرف ہے۔ اصل میں **صلّی لنا** تھا، اس نے مذکورہ الفاظ میں بدل دیا۔اس پر انہوں نے دلیل یہ دی ہے کہ: ''مستدرک حاکم میں سند ''صحیح'' کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: **دخلت علی رقیّة بنت النبی صلّ اللّٰه علیه وسلّم** (میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔) حالانکہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پانچ سال پہلے وفات پا چکی تھیں۔ لہٰذا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ان کے پاس جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہاں اس کے سوا کوئی توجیہ ممکن نہیں کہ اصل لفظ **دخلنا** تھا اور اس کے معنیٰ **دخل المسلمون** تھے۔راوی نے اس میں تصرف کر کے اس کو **دخلت** بنا دیا۔''(درس ترمذی از تقی عثمانی: ۱۵۸/۲)

جواب: جس روایت کی طرف تقی عثمانی صاحب نے اشارہ کیا ہے، وہ مستدرک حاکم (۴۸/۴)، المعجم الکبیر للطبرانی (۸۶/۱) اور تاریخ ابن عساکر (۹۷/۳۹) میں موجود ہے۔تقی عثمانی صاحب کے ''صحیح'' کہنے کے برعکس اس کی سند ''ضعیف'' ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ولا یعرف للمطّلب سماع من أبی هریرة ولا لمحمّد عن المطّلب ، ولا تقوم به الحجّة .** ''نہ مطلب کا سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے نہ محمد کا مطلب سے۔ اس روایت سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔''(التاریخ الصغیر للبخاری: ٤٨)

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلب بن عبداللہ کی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت ''مرسل'' ہوتی ہے۔(المراسیل لابن ابی حاتم : ۲۰۹)

نیز مطلب بن عبداللہ ''مدلس'' بھی ہیں (طبقات المدلسین لابن حجر : ۱۷۱/٦)اور یہ روایت بصیغۂ عن بیان کر رہے ہیں۔معلوم ہوا کہ یہ روایت ''ضعیف'' اور نا قابل حجت ہے، لہٰذا جس تاویل کے لیے اسے حجت بنایا جائے گا ، وہ تاویل بھی یقیناً ضعیف ہوگی۔

تاویل ③ : نیموی حنفی وغیرہ کہتے ہیں کہ **بینما اصلّی مع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم** کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں، کیونکہ ان کو بیان کرنے میں یحییٰ بن ابی کثیر راوی منفرد ہے۔

جواب : قارئین کرام ! یہ بات حدیث اور راویانِ حدیث کے کردار کو مشکوک بنانے کی کوشش ہے۔ یحییٰ بن ابی کثیر ثقہ، ثبت راوی ہیں۔ اگر ایسے راوی پر بھی اعتبار نہیں جو محدثین کرام کے ہاں بلند درجے کا قابل اعتبار ہے تو پھر بھلا کس پر اعتماد کیا جائے گا اور کون سی حدیث صحیح رہ جائے گی؟ یحییٰ بن ابی کثیر کے بیان کردہ الفاظ واضح طور پر بتا دیتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعے کے عینی شاہد تھے۔ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یوں تبویب کی ہے: **ذکر الأخبار المصرّحة بأنّ أبا هريرة شهد هذه الصلاة مع رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، لا أنّه حكاها كما توهّم من جهل صناعة الحديث حيث لم ينعم النظر في متون الأخبار ولا تفقّه في صحيح الآثار .** ''ان احادیث کا بیان جو اس بات میں صریح ہیں کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے۔فن حدیث سے جاہل لوگوں نے گمان کیا ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو کسی سے سن کر آگے بیان کیا ہے۔ ان لوگوں نے احادیث کے متون میں غور وفکر نہیں کیا نہ ان کو صحیح احادیث کی فقہ حاصل ہوئی ہے۔''(صحیح ابن حبان : ۲۸/٦)

دلیل نمبر ②: سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إنّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم صلّی العصر ، فسلّم فی ثلاث رکعات، ثمّ دخل منزلہ ، فقام إلیہ رجل یقال لہ : خرباق ، وکان فی یدیہ طول ، فقال : یا رسول اللّٰہ ! فذکر لہ صنیعہ ، وخرج غضبان یجرّ رداءہ حتّی انتھی إلی الناس ، فقال : أصدق ھذا ؟ قالوا : نعم ، فصلّی رکعۃ ، ثمّ سلم ، ثمّ سجد سجدتین ، ثمّ سلم . ''رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی تو تین رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا، پھر اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ ایک آدمی نے جس کا نام خرباق تھا اور اس کے ہاتھ لمبے لمبے تھے، کہا: اے اللہ کے رسول! پھر اس نے وہ بات بتائی جو آپ ﷺ نے نماز میں کی تھی۔ آپ ﷺ غصے میں اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے باہر تشریف لائے یہاں تک کہ لوگوں کے پاس آ گئے اور فرمایا: کیا اس نے سچ بولا ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے ایک رکعت ادا کی ، پھر سلام پھیرا، پھر دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا۔''

(صحیح مسلم : ۲۱٤/۱، ح : ۵۷٤)

یہ ایک دوسرا واقعہ ہے جس میں نماز کے بعد گھر میں داخل ہونے کا ذکر ہے۔ اس حدیث میں خرباق نامی صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی تھی۔ اس کے ہاتھ بھی لمبے لمبے تھے۔ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وقال عمران بن حصین : رجل طویل الیدین یقال لہ : الخرباق ، وممکن أن یکون رجلان أو ثلاثۃ یقال لکلّ واحد منھم : ذوالیدین وذو الشمالین ، ولکنّ المقتول یوم بدر غیر الذی تکلّم فی حدیث أبی ھریرۃ إلی النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم حین سھا ، فسلّم من اثنتین ، وھذا قول أھل الحذق والفھم من أھل الحدیث والفقہ .**

''سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ایک لمبے ہاتھوں والا شخص تھا جسے

خرباق کہا جاتا تھا۔ممکن ہے کہ یہ (لمبے ہاتھوں والے) دو یا تین آدمی ہوں اور ان میں سے ہر ایک کو ذوالیدین اور ذوالشمالین کہا جاتا ہو،لیکن جو ذوالیدین صحابی بدر میں شہید ہو گئے تھے وہ اس صحابی سے علیحدہ شخصیت تھے جنہوں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت بات کی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے تھے اور آپ نے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا تھا۔محدثین کرام اور فقہاء میں سے اہل مہارت اور اہل دانش کا یہی قول ہے۔''(التمهيد لابن عبد البر : ۳۶۳/۱)

یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ نماز میں بھول کر یا لاعلمی کی حالت میں کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔اگر بھول کر سلام پھیر دیا گیا اور درمیان میں گفتگو بھی کر لی گئی تب بھی پہلے پڑھی ہوئی نماز پر بنیاد ڈالتے ہوئے باقی نماز ادا کر لی جائے گی اور دو سجدۂ سہو کر لیے جائیں گے۔از سرِ نو نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔

دلیل نمبر ③ : سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

صلّيت مع رسول الله صلّى الله عليه وسلّم المغرب فسها ، فسلّم فى الركعتين ، ثمّ انصرف ، فقال له رجل : يا رسول الله ! إنّك سهوت ، فسلّمت فى الركعتين ، فأمر بلالا ، فأقام الصلاة ، ثمّ أتمّ تلك الركعة ، وسألت الناس عن الرجل الذى قال : يا رسول الله إنّك سهوت ، فقيل لى : تعرفه ؟ فقلت : لا إلا أن أراه ، ومرّ بى رجل ، فقلت : هو هذا ، فقالوا : هذا طلحة بن عبيد الله .

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے اور دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول ! آپ بھول گئے ہیں اور آپ نے دو رکعتوں کے بعد ہی سلام پھیر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا ، انہوں نے اقامت کہی ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی ماندہ

رکعت کو مکمل کیا۔ میں نے لوگوں سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے کہا تھا: اے اللہ کے رسول ! آپ بھول گئے ہیں۔ لوگوں نے مجھ سے کہا: کیا آپ انہیں پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، ہاں اگر دیکھ لوں تو پہچان جاؤں گا۔ وہ آدمی میرے پاس سے گزرا تو میں نے کہا: یہ وہی ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔''

(مسند الامام احمد : ٤٠١/٦، سنن ابی داوٗد : ١٠٢٣، سنن النسائی : ٦٦٥، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان (۲۶۷۴) نے ''صحیح'' کہا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **حدیث صحیح الإسناد علی شرط الشیخین .** ''اس حدیث کی سند بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔''(المستدرك علی الصحیحین : ٢٦١/١)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے اور ابوسعید بن یونس کہتے ہیں:

هذا أصحّ حدیث . ''یہ صحیح ترین حدیث ہے۔''

(تاریخ ابن عساکر : ١٥:٥٩، وسندہٗ صحیحٌ)

جناب نیموی حنفی (م۱۳۲۲ھ) اس حدیث پر یوں اعتراض کرتے ہیں:

تفرّد به سوید بن قیس ، ولا یثبت سماعه من معاویة بن حدیج ، وأمّا ما قالوا فی کتب أسماء الرجال : یروی عن معاویة بن حدیج ، فهذا لیس فی السماع لأنّهم کثیرا ما یقولون مثل هذا وإنّما یریدون بالروایة أعمّ من أن تکون موصولة أو مرسلة ... ''اس حدیث کو بیان کرنے میں سوید بن قیس منفرد ہیں اور ان کا سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ کتبِ اسماء الرجال میں محدثین کرام کا یہ کہنا کہ یہ معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، سماع کے بارے میں نہیں، کیونکہ محدثین کرام بہت زیادہ ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں لیکن ان کی مراد روایت کرنے سے عام ہوتی ہے خواہ وہ موصول ہو یا مرسل۔''(التعلیق الحسن : ص ١٨٥)

تبصرہ : جناب نیموی حنفی صاحب تعصب میں حد سے گزر گئے ہیں۔ یقیناً حدیث سے ان لوگوں کو کوئی علاقہ نہیں۔ محدثین کرام کے اصولوں اور قوانین کا جو حشر یہ کرتے ہیں، وہ آپ کے سامنے ہے۔ جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب (م۱۳۵۲ھ) نے کیا خوب کہا ہے: **وإنّما الضوابط عصا الأعمى .** ''یقیناً قوانین وہ کام دیتے ہیں جو اندھے کے لیے لاٹھی دیتی ہے۔'' (فیض الباری : ٤/٤١٥)

جب محدثین کرام سوید بن قیس کو سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں ذکر کرتے ہیں اور سماع کا امکان موجود ہے اور کسی ثقہ امام نے سماع کی نفی نہیں کی تو روایت متصل ہوگی۔ اس پر سہاگہ یہ کہ محدثین کرام کی ایک جماعت نے سوید بن قیس کی معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ کسی ایک محدث نے بھی سوید بن قیس کے سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ سے سماع پر تنقید و جرح نہیں کی۔ یہ ان کے سماع کی ایک زبردست دلیل ہے۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (۲۶۷۴)، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۷۷۶)، امام ابن جارود (۳۲۰)، حافظ ابوالقاسم الکتانی (جزء البطاقہ : ۱۷، مکتبہ شاملہ) نے سوید بن قیس کی سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کو ''صحیح'' کہا ہے۔

خود نیموی حنفی صاحب نے اپنی اسی کتاب آثارالسنن (ح : ۲۶) میں سوید بن قیس کی سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ سے بیان کی روایت کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔ یہ حدیث کے خلاف مقلدین کی نفس پرستی کی واضح دلیل ہے۔ وہ اپنے من پسند اصول چاہتے ہیں کہ جب چاہیں انہیں سینے سے لگا لیں اور جس وقت چاہیں ان کا خون کر دیں!!!

اس حدیث کے راوی سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ کے بارے میں نیموی حنفی لکھتے ہیں:

وإن سلّمنا أن يصحّ الإسناد كما زعمه الحاكم فلا نسلم أنّ معاوية بن

حديج أسلم قبل وفات النبی صلّی اللّٰہ علیه وسلّم بشهرین کما زعم البیهقی وتبعه النووی فی الخلاصة والحافظ ابن حجر فی الفتح ، بل نقول : إنّ هذه الواقعة کانت قبل نسخ الکلام ، وإلیه ذهب الطحاوی فی معانی الآثار (۴۴۸/۱) ، ألا تری أنّه أخبر أنّ النبی صلّی اللّٰہ علیه وسلّم رجع فدخل المسجد وأمر بلالا فأقام الصلاة ، فصلّی للناس رکعة ، ولا یجوز لأحد الیوم مثل ذلک لأن فعل ونحوها قاطع للصلاة بالإجماع علی ما حکاه الطحاوی فی معانی الآثار .

''اگر ہم اس کی سند کو صحیح تسلیم کر بھی لیں جیسا کہ امام حاکم نے کہا ہے تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو ماہ پیشتر اسلام لائے ہوں جیسا کہ امام بیہقی نے دعویٰ کیا ہے اور خلاصۃ الاحکام میں علامہ نووی اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے ان کی موافقت کی ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ واقعہ نماز میں کلام کے منسوخ ہونے سے پہلے کا ہے ۔ امام طحاوی شرح معانی الآثار(۴۴۸/۱) میں اسی طرف گئے ہیں۔کیا آپ دیکھتے نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹے، مسجد میں داخل ہوئے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انہوں نے اقامت کہی ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایک رکعت پڑھائی۔ آج کسی کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ اقامت وغیرہ نماز کو توڑ دیتے ہیں جیسا کہ شرح معانی الآثار میں امام طحاوی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔''(التعلیق الحسن : ص ۱۸۵)

تبصرہ : آخر حدیث کے خلاف یہ سینہ زوری کیوں؟ محدثین کرام کا فیصلہ نامقبول کیوں ؟ سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو ماہ پہلے مسلمان نہ بھی ہوئے ہوں تو صحابی صغیر ضرور ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کو ''صحابی صغیر'' قرار دیا ہے۔(تقریب التهذیب لابن حجر : ٦٧٥٠)

نماز میں کلام کی منسوخیت بہت پہلے کی ہے۔ سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ صحابی صغیر ہیں اور بیان کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بھول کر سلام پھیر دیا تھا، یاد آنے پر سابقہ نماز پر بناء کرتے ہوئے نماز مکمل کر لی۔ رہا امام طحاوی حنفی کا یہ اعتراض کہ اس روایت میں باقی نماز کے لیے اقامت کا بھی ذکر ہے تو جی ہاں! آج بھی کوئی بھول کر سلام پھیر دے تو باقی نماز کو ادا کرنے سے قبل اقامت کہہ دے تو کوئی حرج نہیں۔ سنت سے ثابت شدہ مسئلہ ہے، اسی لیے تو امام نسائی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے:

الإقامة لمن نسي ركعة من صلاة . ''جو شخص کسی نماز سے ایک رکعت بھول جائے، اس کے لیے اقامت کا بیان۔''

حافظ ابن رجب حنبلی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

هذا يدلّ على أنّ إقامة الصلاة والأمر بها لا يبطل البناء على ما مضى من الصلاة . ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت اور اس کا حکم دینا سابقہ نماز پر بناء کرنے کو باطل نہیں کرتا۔''(فتح الباری لابن رجب : ٦/٤٧١)

ہاں نماز کے اندر بغیر بھولے جان بوجھ کر اذان و اقامت کہنا نماز کو باطل کر دیتا ہے۔

دلیل نمبر ④ : سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

إنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم صلّى بالناس ركعتين ، فسها فسلّم ، فقال له رجل يقال له : ذو اليدين ، فذكر مثل حديث ابن عون وهشام ، وحديثهما : أنّه قال : نقصت الصلاة ؟ فقال : لا ، فصلّى ركعتين أخراوين ، ثمّ سلّم ، ثمّ سجد سجدتين ، ثمّ سلّم . ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائیں تو بھول کر سلام پھیر دیا۔ ایک آدمی نے جس کو ذوالیدین کہا جاتا تھا، کہا: ۔۔۔ کیا نماز کم ہوگئی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی دو رکعتیں

پڑھائیں، پھر سلام پھیرا، پھر دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا۔''

(مصنف ابن ابی شیبۃ : ۳۷/۲، وسندہٗ صحیحٌ)

دلیل نمبر ⑤ : واقعہ ذوالیدین کے راوی سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ، عروہ بن زبیر تابعی رحمہ اللہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں : **إنّه صلّی مرّة المغرب رکعتین ، ثمّ سلّم ، فکلّم قائده ، فقال له قائده : إنّما صلّیت رکعتین ، فصلّی رکعة ، ثمّ سلّم وسجد سجدتین .** ''انہوں نے ایک دفعہ مغرب کی نماز دو رکعتیں ادا کر کے سلام پھیر دیا، پھر اپنے رہنما سے باتیں کرنے لگے۔ ان سے ان کے رہنما نے کہا : آپ نے تو دو رکعتیں ادا کی ہیں۔ انہوں نے فوراً ایک رکعت ادا کی ، پھر سلام پھیرا اور دو سجدے کیے۔''

(صحیح البخاری : ۱۶۳/۱، ح : ۱۲۲۷، مصنف ابن ابی شیبۃ : ۳۷/۲، وسندہٗ صحیحٌ)

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۳۶۸۔۴۶۳ھ) فرماتے ہیں : **وقد روی قصّة ذی الیدین عبد اللّٰه بن عمر ومعاویة بن حدیج وعمران بن حصین وابن مسعدة رجل من الصحابة ، وکلّهم لم یحفظ عن النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم ولا صحبه إلّا بالمدینة متأخّرا .** ''ذوالیدین کے قصے کو سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا معاویہ بن حدیج ، سیدنا عمران بن حصین اور ایک صحابی ابن مسعدہ نے بیان کیا ہے۔ ان سب نے نبی اکرم ﷺ سے صرف مدینے کے آخری دور میں ہی احادیث یاد کی تھیں اور اسی دور میں نبی اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی تھی۔''(التمہید لابن عبد البر : ۳۶۲/۱)

ثابت ہوا کہ یہ سارے کے سارے واقعات نماز میں کلام کے منسوخ ہونے سے بہت بعد کے ہیں۔ اگر بالفرض ان واقعات کو جواز کلام کی منسوخیت سے پہلے کا بھی تسلیم کر لیا جائے تو ان کا تعلق اس انسان سے ہے جو نماز میں بھول جائے ، جبکہ نماز میں کلام کی وجہ

سے فساد تب آتا ہے جب وہ جان بوجھ کر کی جائے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حدیث ذوالیدین وغیرہ کا تعلق نماز میں کلام کی منسوخیت سے پہلے کے زمانے سے ہے، امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ نے ان کا بھرپور ردّ کیا ہے اور ایسے لوگوں کو جاہل اور معاند قرار دیا ہے۔

(صحیح ابن خزیمۃ : ۱۱۸/۲۔۱۲٤)

نیز امام ابن منذر رحمہ اللہ نے بھی ان لوگوں کی خوب خبر لی ہے۔(الاوسط : ۲۹۲/۳، ۲۹۳)

بعض الناس کے دلائل

بعض لوگ واقعہ ذوالیدین وغیرہ کے خلاف یہ دلائل پیش کرتے ہیں:

① سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : **إن كنّا لنتكلّم في الصلاة على عهد النبي صلّى الله عليه وسلّم ، يكلّم أحدنا صاحبه بحاجته حتّى نزلت : ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ﴾** (البقرة : ٢٣٨) ، **فأمرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام .** ''ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نماز کے اندر کلام کر لیا کرتے تھے۔ ہم میں سے ایک اپنے ساتھی سے اپنی ضرورت کی بات کر لیتا تھا حتی کہ سورۃ البقرۃ کی آیت (۲۳۸) نازل ہوگئی ، پھر ہمیں خاموش رہنے کا حکم دے دیا گیا اور ہمیں کلام سے منع کر دیا گیا۔''(صحیح البخاری : ۱۶۰/۱، ح : ۱۲۰۰، صحیح مسلم : ۲۰۳/۱، ح : ۵۳۹)

تبصرہ : اس حدیث کا تعلق اس انسان سے ہے جو نماز میں جان بوجھ کر کلام کرتا ہے۔ عام محدثین کرام نے اس حدیث کا یہی معنیٰ لیا ہے۔ واقعہ ذوالیدین ایک خاص معاملے کے بارے میں ہے کہ جب انسان بھول کر نماز میں کلام کر لے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ عموم وخصوص میں تعارض ہو تو اصول کے مطابق خاص دلیل کو ترجیح دے کر اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔

② سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں سلام کے بارے میں بیان کرتے ہیں :

كنّا نسلّم على النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ، وھو فی الصلاۃ ، فیردّ علینا ، فلمّا رجعنا من عند النجاشی سلّمنا علیہ فلم یردّ علینا . . .

''رسول اللہ ﷺ نماز کی حالت میں ہوتے تو ہم آپ کو سلام کہہ دیتے تھے اور آپ ہمیں جواب بھی دے دیتے تھے۔ جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس لوٹے تو ہم نے آپ ﷺ کو سلام کہا۔ آپ نے ہمیں جواب نہیں دیا۔''

(صحیح البخاری : ۱/۱۶۰، ح : ۱۱۹۹، صحیح مسلم : ۱/۲۰۳، ح : ۵۳۸)

تبصرہ : حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حبشہ سے واپسی پر صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کہا ، آپ ﷺ نماز میں تھے ، آپ نے زبان سے جواب نہیں دیا۔ ورنہ اشارے کے ساتھ نماز میں سلام کا جواب دینا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ اس حدیث کا تعلق اس آدمی سے ہے جو جان بوجھ کر نماز میں کلام کرے۔ اگر جان بوجھ کر سلام کا جواب زبان سے دے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر لاعلمی یا نسیان کی وجہ سے ایسا کرے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی۔

③ سیدنا معاویہ بن حکم اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إنّ ھذہ الصلاۃ لا یصلح فیھا شيء من کلام الناس . . .))

''نماز میں لوگوں کی کچھ کلام بھی درست نہیں۔'' (صحیح مسلم : ۱/۲۰۳، ح : ۵۳۷)

تبصرہ : واضح رہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی کلام کا مخاطب وہ صحابی تھے جنہوں نے جان بوجھ کر نماز میں کلام کی تھی لیکن انہیں علم نہ تھا کہ نماز میں کلام کرنا منع ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں سمجھا دیا کہ نماز میں کلام کرنا درست نہیں۔ چونکہ اس صحابی نے لاعلمی کی بنا پر یہ کام کیا تھا ، لہٰذا آپ ﷺ نے اسے نماز دوہرانے کا حکم نہیں دیا۔ یہ تو ہماری دلیل ہوئی نہ کہ بعض الناس کی!

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۳۶۸۔۴۶۳ھ) فرماتے ہیں : **ولو صحّ للمخالفين ما ادّعوه من نسخ حديث أبى هريرة بتحريم الكلام فى الصلاة لم يكن لهم فى ذلک حجّة ، لأنّ النهى عن الكلام فى الصلاة إنّما توجّه إلى العامد القاصد لا إلى الناسى ، لأنّ النسيان متجاوز عنه ، والناسى والساهى ليس ممّن دخل تحت النهى .** ''اگر مخالفین کا یہ دعویٰ درست ثابت ہو بھی جائے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نماز میں کلام کی حرمت سے پہلے کی ہے تو بھی ان کے لیے اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ نماز میں کلام سے ممانعت اس شخص کے لیے ہے جو جان بوجھ کر قصداً ایسا کرے۔ جو بھول کر ایسا کرتا ہے اس سے تو درگزر کیا جاتا ہے۔ بھولنے والا ان لوگوں میں سے نہیں جو اس نہی کے تحت داخل ہیں۔'' (التمهيد : ۳٦۸/۱)

الحاصل : نماز میں لاعلمی یا بھول کر کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ، ہاں ! اگر جان بوجھ کر کلام کر لی جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بھول کر سلام پھیر دیا جائے اور بعد میں یاد آئے کہ ابھی نماز باقی ہے تو بے شک کلام کر لی جائے تو بھی سابقہ نماز پر بناء کرتے ہوئے باقی نماز مکمل کر لی جائے گی۔ نماز دوہرانے کی ضرورت نہیں ہو گی۔

❀❀❀❀❀❀❀

سبیل الحق

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ (۱۰۷۔۱۹۷ھ) فرماتے ہیں : **اسلكوا سبيل الحق ، ولا تستوحشوا من قلّة أهله .** ''تم حق کے راستے پر ہی چلتے رہو، حق کے پیروکاروں کی قلت تمہیں پریشان نہ کرے۔'' (التمهيد : ٤٢٩/١٧، وسندهٗ صحيحٌ)
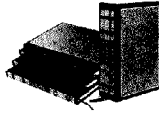
سوال نمبر ① : روایت : ((إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأصحاب القبور)) بلحاظِ سند کیسی ہے؟

جواب : یہ خانہ ساز روایت ہے جو سند سے عاری ہے اور قبر پرستوں کی گھڑنت ہے۔اس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

فهذا الحديث كذب مفترى على النبى صلّى الله عليه وسلّم بإجماع العارفين بحديثه ، لم يروه أحد من العلماء بذلک ، ولا يوجد فى شىء من كتب الحديث المعتمدة . ''احادیثِ نبویہ کی معرفت رکھنے والے علمائے کرام کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ یہ حدیث نبی اکرم ﷺ پر باندھا گیا ایک جھوٹ ہے۔علمائے کرام میں سے کسی نے اس کو بیان نہیں کیا نہ حدیث کی معتبر کتب میں یہ پائی جاتی ہے۔''(مجموع الفتاوى لابن تيمية : ۱/۳۵۶)

شیخ الاسلام ثانی ، عالم ربانی ، امام ابن القیم رحمہ اللہ اس روایت اور اس جیسی دوسری روایات کے بارے میں لکھتے ہیں: **أحاديث مكذوبة مختلقة ، وضعها أشباه عبّاد الأصنام من المقابرية على رسول الله صلّى الله عليه وسلّم تناقض دينه ، وأمثال هذه الأحاديث التى هى مناقضة لدين الإسلام وضعها المشركون وراجت على أشباههم من الجهّال الضّلال .** ''یہ احادیث جھوٹی اور خود گھڑی ہوئی ہیں۔انہیں بت پرستوں سے مشابہت رکھنے والے قبر پرستوں نے گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کے ذمے لگایا ہے، حالانکہ یہ احادیث دینِ محمدی کے خلاف ہیں۔ان جیسی اور

بہت سی احادیث ہیں جو دین اسلام کے خلاف ہیں ، انہیں مشرکین نے گھڑا اور وہ ان جیسے جاہل اور گمراہ مشرکین میں رواج پا گئیں۔۔۔'' (اغاثه اللهفان لابن القيم : ۲۱۵/۱)

سوال نمبر ۲ : کیا امام شافعی رحمہ اللہ سے امام ابوحنیفہ کی قبر پر دعا کرنا ثابت ہے؟

جواب : امام شافعی رحمہ اللہ سے امام ابوحنیفہ کی قبر پر دعا کرنا قطعاً ثابت نہیں ہے۔اس سلسلے میں امام شافعی کی طرف منسوب ایک ضعیف اور باطل روایت یہ ہے :

إنّي لأتبرّك بأبي حنيفة ، وأجيء إلى قبره في كلّ يوم ، يعني زائرا ، فإذا عرضت لي حاجة صلّيت ركعتين ، وجئت إلى قبره وسألت اللّٰه تعالىٰ الحاجة عنده ، فما تبعد عني حتّى تقضى . ''میں ابوحنیفہ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر ہر دن زیارت کے لیے آتا ہوں۔ جب مجھے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو میں دو رکعتیں ادا کرتا ہوں اور ان کی قبر کی طرف جاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی ضرورت کا سوال کرتا ہوں ، جلد ہی وہ ضرورت پوری کر دی جاتی ہے۔''

(تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : ۱۳۵/۱)

یہ جھوٹی اور باطل روایت ہے ۔اس کے راوی عمر بن اسحاق بن ابراہیم کا کتبِ رجال میں کوئی نام ونشان نہیں ملتا۔ نیز علی بن میمون راوی کی بھی تعیین نہیں ہوسکی۔

اس کے باوجود محمد زاہد الکوثری الحنفی الجہمی نے اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

(مقالات الكوثري : ۳۸۰)

جس روایت کے راوی کا حال یہ ہو کہ اس کا کتبِ رجال میں ذکر ہی نہ ہو، اس کی سند صحیح ہوئی ؟ یہ سب کچھ فقہ حنفی اور قبر پرستی کو تقویت دینے کے لیے کیا جا رہا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں :

وهذا كذب معلوم كذبه بالاضطرار عند من له أدنى معرفة بالنقل ، فإنّ الشافعى لمّا قدم بغداد لم يكن ببغداد قبر ينتاب للدّعاء عنده البتّة ، بل ولم يكن هذا على عهد االشافعى معروفا ، وقد رأى الشافعى بالحجاز واليمن والشام والعراق ومصر من قبور الأنبياء والصحابة والتابعين من كان أصحابها عنده وعند المسلمين أفضل من أبى حنيفة وأمثاله من العلماء ، فما باله لم يتوخّ الدعاء إلّا عند قبر أبى حنيفة ، ثمّ أصحاب أبى حنيفة الّذين أدركوه مثل أبى يوسف ومحمّد وزفر والحسن ابن زياد وطبقتهم لم يكونوا يتحرّون الدعاء لا عند قبر أبى حنيفة ولا غيره ، ثمّ قد تقدّم عن الشافعى ما هو ثابت فى كتابه من كراهة تعظيم قبور الصالحين خشية الفتنة بها ، وإنّما يضع مثل هذه الحكايات من يقلّ علمه ودينه ، وإمّا أن يكون المنقول من هذه الحكايات عن مجهول لا يعرف .

''یہ ایسی جھوٹی روایت ہے جس کا جھوٹا ہونا ہر اس شخص کو لازمی طور پر معلوم ہو جاتا ہے جو فن روایت سے ادنیٰ معرفت بھی رکھتا ہو۔ امام شافعی ؒ جب بغداد میں تشریف لائے تو وہاں قطعاً کوئی ایسی قبر موجود نہیں تھی جس پر دعا کے لیے حاضر ہوا جاتا ہو ۔ یہ چیز امام شافعی ؒ کے دور میں معروف ہی نہیں تھی۔ امام شافعی ؒ نے حجاز ، یمن ، شام ، عراق اور مصر میں انبیائے کرام اور صحابہ و تابعین کی قبریں دیکھی تھیں۔ یہ لوگ تو امام شافعی اور تمام مسلمانوں کے ہاں امام ابوحنیفہ اور ان جیسے دوسرے علماء سے افضل تھے۔ کیا وجہ ہے کہ امام شافعی ؒ نے سوائے امام ابوحنیفہ کے کسی کی قبر پر دعا نہیں کی ؟ پھر امام ابوحنیفہ کے وہ شاگرد جنہوں نے ان کی صحبت پائی تھی ، مثلاً ابو یوسف ، محمد (بن حسن) ، ابو زفر اور حسن بن زیاد ، نیز ان کے طبقے کے دوسرے لوگ امام ابوحنیفہ یا کسی اور کی قبر پر دعا نہیں کرتے تھے۔ پھر یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ امام شافعی ؒ کے نزدیک نیک لوگوں کی قبروں کی تعظیم کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں فتنے کا خدشہ ہے۔ ایسی

روایات وہ لوگ گھڑتے ہیں جو علمی اور دینی اعتبار سے تنگ دست ہوتے ہیں یا پھر ایسی روایات مجہول اور غیر معروف لوگوں سے منقول ہوتی ہیں۔''

(اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیة : ص ١٦٥)

سوال نمبر ③ : میت کی طرف سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: **من يضمن لي أن يصلّي في مسجد العشار ركعتين ، أو أربعا ، ويقول : هذه لأبي هريرة ؟** ''کون ہے جو ضمانت دے کہ وہ مسجدِ عشار میں دو یا چار رکعتیں پڑھے گا، پھر کہے گا کہ یہ ابوہریرہ کے لیے ہیں؟'' (سنن ابی داؤد : ٤٣٠٨) ؟؟؟

جواب : یہ روایت بلحاظِ سند ''ضعیف'' ہے۔ اس کا راوی ابراہیم بن صالح بن درہم الباہلی کمزور ہے۔ اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا يتابع عليه . ''اس کی روایات کی (ثقہ راویوں کی طرف سے) متابعت نہیں کی جاتی۔'' (التاریخ الکبیر للبخاری : ٢٩٣/١)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب ''کتاب الضعفاء والمتروکین'' (٢٦) میں ذکر کیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **فيه لين .** ''اس میں کمزوری موجود ہے۔'' (الکاشف للذہبی : ٣٨/١)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فيه ضعف .** ''اس میں ضعف ہے۔'' (تقریب التهذیب لابن حجر : ١٨٦)

اسے صرف اور صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الثقات'' (٧/١٦) میں ذکر کیا ہے، لہٰذا یہ غیر معتبر راوی ہے۔

اس روایت کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وهذا الحديث بأيّ إسناد كان فهو منكر . ''یہ حدیث جس سند سے بھی آئی ہے، منکر ہی ہے۔''(الکامل لابن عدی : ۲۹/۳، ترجمة خالد بن عمرو)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(جامع الاحادیث للسیوطی : ۷۱۷٤)

امام عقیلی فرماتے ہیں : ابراهيم وأبوه ليسا بمشهورين بنقل الحديث ، والحديث غير محفوظ . ''ابراہیم اور اس کا باپ دونوں نقل حدیث میں معروف نہیں ہیں اور یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔''(الضعفاء الکبیر : ٥٥١)

ان ائمہ محدثین کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ یہ روایت ثابت نہیں، لہٰذا اس کی بنیاد پر میت کی طرف سے نماز پڑھنے کا ثبوت فراہم کرنا صحیح نہ ہوا۔

اس کے برعکس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں : لا يصلّى أحد عن أحد ، ولا يصوم أحد عن أحد ، لكن يطعم عنه ، مكان كلّ يوم مدّا من حنطة . ''کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے نہ روزہ رکھے بلکہ اس کی طرف سے مستحقین کو ہر دن کے بدلے گندم کا ایک مدّ کھلائے۔''(السنن الکبری للنسائی : ۲۹۱۸، وسندہٗ صحیحٌ)

اس بات پر اجماع بھی ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا، جیسا کہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں : أمّا الصلاة فإجماع من المسلمين أنّه لا يصلّى أحد عن أحد فرضا عليه من الصلاة أو سنّة ولا تطوّعا ، لا عن حيّ ولا عن ميت . ''رہا نماز کا معاملہ تو اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا، چاہے وہ فرض ہو، سنت ہو یا نفل ہو۔ نہ زندہ شخص کی طرف سے نہ مردے کی طرف سے۔''(الاستذکار لابن عبد البر : ۱۰/۱٦۷، ۱۲/٦٦)

علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں : وقد أجمعوا أنّه لا يصلّى أحد عن أحد .

''اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔''

(عمدة القاری للعینی : ۱۲۵/۹)

فائدہ : سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ایک روایت ہے :

وأمر ابن عمر امرأة جعلت أمّها على نفسها صلاة بقباء ، فقال : صلّى عنها .... ''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس عورت کو حکم دیا جس کی ماں نے قبا میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے وہ نماز پڑھے۔''

(صحیح البخاری ، قبل الحدیث : ٦٦٩٨)

اس اثر کی سند نہیں مل سکی ۔ دین باسند صحیح روایات کا نام ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کا تعلق نذر سے ہے، عام نماز سے نہیں۔

سوال نمبر ④ : نماز جنازہ میں ایک سے زائد دعائیں پڑھنا کیسا ہے؟

جواب : نماز جنازہ میں ایک سے زائد دعائیں پڑھنا جائز اور مستحب ہے، جیسا کہ سیدنا یزید بن رکانہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی نماز جنازہ پر چار تکبیریں کہتے تو یہ دعا پڑھتے: **اللّٰهمّ عبدک وابن أمتک ، احتاج إلی رحمتک ، وأنت غنیّ عن عذابه ، فإن کان محسنا فزد فی إحسانه ، وإن کان مسیئا فتجاوز عنه .** اس کے بعد جو اللہ چاہتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم (مزید) دعا مانگتے۔''

(المعجم الکبیر للطبرانی : ۲۴۹/۲۲، الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم : ۳۲٤/۱، ح : ٤٤٤، المستدرك علی الصحیحین للحاکم : ۳۵۹/۱، وسندهٗ صحیحٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے، البتہ **ثمّ یدعو بما شاء اللّٰه أن یدعو** کے الفاظ مستدرک میں نہیں۔

دوائی کرنا سنت اور مستحب ہے۔ شفاء اللہ کے حکم سے ہی ہوتی ہے، نبی اکرم ﷺ نے بعض چیزوں کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے شفاء رکھی ہے۔ ذیل میں ان کا ذکر ملاحظہ فرمائیں :

① کلونجی :

سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا : ((**إنّ فی الحبّة السوداء شفاء من کلّ داء إلّا السام**)) ''کلونجی میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفاء ہے۔''

(صحیح البخاری : ٥٦٨٨، صحیح مسلم : ٢٢١٥)

② سنائے مکّی :

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**ثلاث فیهنّ شفاء من کلّ داء إلّا السام ، السنا ....**)) ''تین چیزوں میں سوائے موت کے ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔ ان میں سے ایک چیز سنائے مکی ہے۔''(السنن الکبری للنسائی : ٣٤٦٧، وسندہٗ حسنٌ)

③ عُود ھندی :

ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ((**علیکم بهذا العود الهندی ، فإنّ فیه سبعة أشفیة**)) ''تم اس عودِ ہندی (قسط شیریں) کو ضرور استعمال کرو کیونکہ اس میں سات بیماریوں کے لیے شفاء ہے۔''

(صحیح البخاری : ٥٦٩٢، صحیح مسلم : ٢٢١٤)

④ **کُھمبی :** سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**الکمأة من المنّ الّذی أنزل اللّٰه عزّ وجلّ علی بنی اسرائیل ، وماء ھا شفاء للعین**)) ''کھمبی اس منّ کی ایک شکل ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر نازل کیا تھا۔اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفاء ہے۔''

(صحیح البخاری : ۵۷۰۸، صحیح مسلم : ۲۰۴۹)

⑤ **عجوہ کھجور :** سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**العجوة من الجنّة ، وفیھا شفاء من السمّ**))

''عجوہ جنت کی کھجور ہے۔اس میں زہر کے لیے شفاء ہے۔''

(سنن الترمذی : ۲۰۶٦، وقال : حسن غریب ، وسندہٗ حسنٌ)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا : ((**من تصبّح بسبع تمرات عجوة لم یضرّہ ذلک الیوم سمّ ولا سحر**)) ''جو آدمی صبح کے وقت سات عجوہ کھجوریں کھا لے ، اسے اس دن زہر اور جادو نقصان نہ دے سکے گا۔''

(صحیح البخاری : ۵۷٦۹، صحیح مسلم : ۲۰۴۷)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ''(مدینہ منورہ کے) بالائی حصے کی عجوہ کھجوروں میں شفاء ہے یا صبح کے وقت ان کا استعمال شفاء کا باعث ہے۔''(صحیح مسلم : ۲۰۴۸)

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((**وإنّ العجوة من فاکھة الجنّة**)) ''عجوہ جنت کے پھلوں میں سے ایک پھل ہے۔''(مسند الامام احمد : ۳۵۱/۵، وسندہٗ حسنٌ)

⑥ **دُنبے کی چکّی:** سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ((**شفاء عرق النساء ألية شاة أعرابيّة تذاب ، ثمّ تجزّأ ثلاثة أجزاء ، ثمّ يشرب على الريق في كلّ يوم جزء**)) ''عرق النساء سے شفاء حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جنگلی بھیڑ (دنبے) کی چکّی کو لے کر پگھلا لیا جائے، پھر اس کے تین حصے کر لیے جائیں، پھر روزانہ ایک حصہ نہار منہ پی لیا جائے۔'' (سنن ابن ماجه : ٣٤٦٣، وسندهٗ صحيحٌ)

⑦ **شهد:** شہد کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿**فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ**﴾ (النحل : ٦٩) ''اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔''

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میرے بھائی کو دست لگ گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُسے شہد پلاؤ۔ اس نے اپنے بھائی کو شہد پلایا، پھر حاضر ہو کر عرض کی کہ میں نے اس کو شہد پلایا تھا لیکن اس کے دست اور بڑھ گئے۔ آپ ﷺ نے تین دفعہ اسے یہی فرمایا: جب وہ چوتھی مرتبہ آیا تو آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ اس کو شہد پلاؤ۔ اس نے کہا: اسے شہد پلایا تھا مگر اس کے دست اور بڑھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بات سچی ہے اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ پھر اس نے شہد پلایا تو اس کا بھائی شفاء یاب ہو گیا۔''

(صحيح البخاري : ٥٦٨٣، صحيح مسلم : ٢٢١٧)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((**الشفاء في ثلاث : شربة عسل ، وشرطة محجم ، وكيّة نار ، وأنهى أمّتي عن الكيّ**)) ''(کامل) شفاء تین چیزوں میں ہے: ① شہد کا گھونٹ ② سنگی لگوانا اور ③ آگ سے داغنا، لیکن میں اپنی امت کو آگ سے داغنے سے

روکتا ہوں۔‘‘(صحیح البخاری : ٥٦٨٠)

فائدہ : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میٹھے اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔(صحیح البخاری : ٥٤٣١، صحیح مسلم : ٢١/١٤٧٤)

⑧ آب زمزم :

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ آپ یہاں (حرم میں) کب سے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی : تیس دنوں سے ۔ آپ ﷺ نے فرمایا : تیس دنوں سے یہاں ہو؟ میں نے عرض کی : جی ہاں ، آپ ﷺ نے پوچھا : آپ کا کھانا کیا تھا ؟ میں نے کہا : زمزم کے علاوہ کوئی کھانا پینا نہیں تھا۔ یقیناً میں موٹا ہوگیا ہوں۔ میرے پیٹ کی سلوٹیں ختم ہوگئی ہیں۔ میں نے اپنے کلیجے میں بھوک کی وجہ سے لاغری اور کمزوری تک محسوس نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((إنّها مباركة ، وهى طعام طعم وشفاء سقم))**

’’یقیناً یہ مبارک پانی ہے۔ یہ کھانا بھی ہے اور بیماری کے لیے شفاء بھی ہے۔‘‘

(مسند الطیالسی : ص٦١، ح : ٤٥٧، وسندهٗ صحیحٌ)

فائدہ : حدیث : **((ماء زمزم لما شرب له))** کی تمام سندیں ’’ضعیف‘‘ ہیں۔

⑨ گائے کا دودھ :

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((ما أنزل اللّٰه من داء إلّا أنزل له شفاء ، وفى ألبان البقر شفاء من كلّ داء))** ’’اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں اتاری جس کی شفاء نازل نہ کی ہو۔ گائے کے دودھ میں ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔‘‘(المستدرك للحاكم : ١٩٤/٤، وصححه ، ووافقه الذهبى ، وسندهٗ صحيحٌ)

مسند البزار (۳۰۰) اور السنن الکبری للنسائی (۷۵۶۸) کے الفاظ یہ ہیں:

((فی ألبان البقر شفاء)) ''گائیوں کے دودھ میں شفاء ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((علیکم بألبان البقر ، فإنّھا ترم من کلّ شجر ، وھو شفاء من کلّ داء))

''گائے کا دودھ ضرور استعمال کرو، کیونکہ وہ ہر درخت چرتی ہے۔ اس کے دودھ میں ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔'' (المستدرك للحاکم: ۴۰۳/۴، وسندہٗ صحیحٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم دوائی استعمال کر سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((نعم تداووا ، بأنّ اللّٰہ لم ینزل داء إلّا أنزل لہ دواء ، علیکم بألبان البقر ، فإنّھا ترم من الشجر))

''ہاں، دوائی استعمال کیا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں اتاری جس کی شفاء نازل نہ کی ہو۔ تم گائیوں کا دودھ ضرور استعمال کرو کیونکہ وہ (تمام) درختوں سے چرتی ہے۔'' (الجعدیات لابی القاسم البغوی: ۲۱۶۴، وسندہٗ حسنٌ)

⑩ سنگی لگوانا:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگی لگوائی اور فرمایا: تمہاری دواؤں میں سے بہترین چیز فصد کھلوانا، یعنی سنگی لگوانا ہے۔'' (صحیح البخاری: ۵۶۹۶، صحیح مسلم: ۶۲/۱۵۷۷)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے مقنع کی عیادت کی، پھر فرمایا: میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک تم پچھنے (سنگی) نہ لگوا لو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ((إنّ فیہ شفاء ا)) ''بلاشبہ

اس میں شفاء ہے۔‘‘(صحیح مسلم : ۲۲۰۵)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: **((إن كان في شيء من أدويتكم خير ففي شرطة محجم أو شربة من عسل أو لذعة بنار))** ’’اگر تمہاری دواؤں میں سے کسی میں خیر ہے تو سنگی لگوانے میں، شہد پینے میں یا آگ سے داغ دینے میں ہے۔‘‘

(صحیح البخاری : ۵۶۸۳، صحیح مسلم : ۲۲۰۵)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من احتجم لسبع عشرة وتسع عشرة وإحدى وعشرين كان شفاء من كلّ داء)) ’’جو آدمی (اسلامی مہینے کی) سترہ، انیس اور اکیس تاریخ کو سنگی لگواتا ہے، اسے ہر مرض سے شفاء ہو گی۔‘‘(سنن ابی داؤد : ۳۸۶۱، السنن الکبری للبیهقی : ۳٤/۹، المستدرك للحاکم : ۱۱۰/٤، مختصرا ، وصححه علی شرط مسلم واقره الذهبی ، وسندهٗ حسنٌ)

اس کے راوی سعید بن عبدالرحمٰن جمحی کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وثّقه الأكثر . ’’اسے اکثر محدثین کرام نے ثقہ قرار دیا ہے۔‘‘

(فتح الباری لابن حجر : ۱۵۰/۱۰)

⑪ آگ سے داغنا :

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((الشفاء في ثلاث : شربة عسل ، وشرطة محجم ، وكيّة نار ، وأنهى أمّتي عن الكيّ))** ’’(کامل) شفاء تین چیزوں میں ہے: ① شہد کا گھونٹ ② سنگی لگوانا اور ③ آگ سے داغنا، لیکن میں اپنی امت کو آگ سے داغنے سے روکتا ہوں۔‘‘(صحیح البخاری : ۵۶۸۰)

ایک روایت میں ہے: **((وما أحبّ أن أكتوي))** ’’میں آگ سے داغنے کو پسند نہیں کرتا۔‘‘(صحیح البخاری : ۵۶۸۳، صحیح مسلم : ۲۲۰۵)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک طبیب بھیجا۔ اس نے ان کی ایک رگ کاٹ کر آگ سے داغ دیا۔"(صحیح مسلم : ۲۲۰۷)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کے بازو کی ایک رگ میں تیر لگا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ سے تیر کے پھالے کے ساتھ ان کو داغا۔ ان کے ہاتھ میں ورم آگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبارہ داغ دیا۔"(صحیح مسلم : ۲۲۰۸)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : **كُويت من ذات الجنب ورسول الله صلّى الله عليه وسلّم حيّ .** ''مجھے ذات الجنب کی بیماری میں داغ دیا گیا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے۔"(صحیح البخاری : ۵۷۲۱)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت ہے کہ : **إنّه اكتوى من اللقوة .** ''آپ رضی اللہ عنہما نے لقوہ کی بیماری میں داغنے کو کہا۔"

(مصنف ابن ابی شیبۃ : ۶۳/۸، وسندہٗ صحیحٌ)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ : **كان ... ينهى عن الكيّ ، ثمّ اكتوى بعد .** ''آپ رضی اللہ عنہ پہلے داغنے سے منع کیا کرتے تھے، پھر بعد میں داغنے کے قائل و فاعل ہو گئے۔"(مصنف ابن ابی شیبۃ : ۶۵/۸، وسندہٗ صحیحٌ)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ان لوگوں کی صفات بیان فرمائیں جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ ان کی تعداد ستر ہزار ہو گی۔ **((هم الّذين لا يسترقون ، ولا يتطيّرون ، ولا يكتوون ، وعلى ربّهم يتوكّلون))** ''یہ وہ لوگ ہوں گے جو دم کا مطالبہ نہیں کریں گے، نہ بدفالی اور بدشگونی کریں گے نہ داغ لگوائیں گے۔ وہ خاص اپنے رب پر بھروسہ کریں گے۔"(صحیح البخاری : ۵۷۰۵، صحیح مسلم : ۲۱۸)

حاصل کلام یہ ہے کہ آگ سے داغنے سے شفاء حاصل ہوتی ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو داغ دے کر اس کا جواز پیش کیا ہے۔ جہاں تک آپ ﷺ کے اس سے روکنے کی بات ہے تو یہ نہی وممانعت اختیاری اور تنزیہی ہے، یعنی اس سے بچنا بہتر ہے لیکن اگر کوئی اور چارہ نہ ہو تو ایسا کر لیا جائے۔ یہ عمل قابل مواخذہ نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے داغنے کو پسند نہ کرنے سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی، دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اکتویٰ کو ناپسند کیا ہے، یعنی کسی کو کہہ کر داغ لگوانے کو آپ پسند نہیں کرتے تھے۔ باقی نبی اکرم ﷺ کا کسی کو کہہ کر داغ نہ لگوانے والوں کی تعریف کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ داغ لگوانے سے اجتناب کیا جائے۔

واللّٰہ أعلم بالصواب!

امام بخاری رحمہ اللہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۰۔۷۷۴) فرماتے ہیں:

''صحیح بخاری کے مؤلف، امام حافظ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ۔ آپ اپنے زمانے میں اہل الحدیث کے امام تھے۔ اس دور میں ان کو پیشوا سمجھا جاتا تھا اور وہ اپنے ہم عصروں اور ساتھیوں میں مقدم خیال کیے جاتے تھے۔ آپ کی کتاب صحیح بخاری کو قبول کرنے اور اس کی ساری احادیث کے صحیح ہونے پر علمائے کرام اور تمام مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہے۔۔۔ آپ رحمہ اللہ اپنے بعد مسلمانوں کے لیے نفع مند علم چھوڑ کر گئے۔ آپ کا علم ختم ہونے والا نہیں بلکہ اس کا اجر ان نیک اعمال کے ساتھ مسلسل شامل ہو رہا ہے جو آپ نے اپنی زندگی میں انجام دیے تھے۔''(البدایة والنهایة لابن کثیر: ۱۱/۳۰،۳۳)

❀❀❀❀❀❀❀

آج انکار حدیث کا سورج اپنے نصف النہار پر ہے جس کی تپش سے وہ سر چکرانے لگے ہیں جن پر توفیق الٰہی کا سایہ نہیں رہا۔ آئے روز حدیثِ رسول کے خلاف انداز بدل بدل کر پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ انکار حدیث کی وجہ یا تو جہالت ہوتی ہے یا پھر بدباطنی۔ حدیث چونکہ قرآنِ کریم کی من مانی تاویل وتفسیر سے روکتی ہے اور ہر آدمی کو اپنی مرضی کا اسلام بنانے کی اجازت نہیں دیتی اس لیے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے برگشتہ لوگ اس سے خار کھاتے ہیں۔ وہ اس سے جان چھڑانے کے لیے جھوٹ، تلبیس اور دغا بازی سے بھرپور کام لیتے ہیں۔ کچھ لوگ جو ویسے تو مخلص مسلمان ہوتے ہیں لیکن اپنی علمی بے مائیگی کی بنا پر منکرین حدیث کی فریبی چال کو سمجھ نہیں پاتے، حدیث اور محدثین سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ انکار حدیث کی کوئی تیسری وجہ نہیں۔

گزشتہ دنوں سندھ کے ایک صاحب عزیز اللہ بوہیو (ولیج خیر محمد بوہیو۔P.O براستہ نوشہرو فیروز، سندھ) نے اعلیٰ عدالتوں کے ججوں، صدر پاکستان، وزیر اعظم پاکستان، چاروں صوبوں کے وزراء اعلیٰ اور قومی وصوبائی اسمبلیوں کے اسپیکرز کے نام ایک کھلا خط لکھا ہے جس میں انہوں نے حدیثِ رسول کو اسلام، پیغمبر اسلام اور صحابہ کرام کی گستاخی کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ چار صفحات کے اس خط میں بوہیو صاحب نے حدیث کے خلاف انہی اعتراضات کو جھاڑ پونجھ کر دوبارہ پیش کر دیا ہے، جنہیں صدیوں پہلے محدثین کرام دلائل کے زور سے ردّی کی ٹوکری میں پھینک چکے ہیں۔ حسنِ ظن کا تقاضا یہی ہے کہ ہم سمجھیں کہ بوہیو صاحب کو حقیقت کا علم نہیں تھا، ورنہ وہ ایسے نہ کرتے، نیز وہ دلائل کو ملاحظہ کر کے ضرور اپنے موقف پر نظر ثانی فرمائیں گے۔ ان سے گزارش ہے کہ وہ اپنے خط پر ہماری گزارشات

کو ٹھنڈے دل سے ملاحظہ فرمائیں۔

یہ تحریر تفصیل کی متحمل نہیں لہٰذا پہلے ہم بوہیو صاحب کے تمہیدی کلمات نقل کریں گے پھر ایک ایک کر کے ان کے اعتراضات کو لفظ بہ لفظ نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر دلائل کی روشنی میں مختصر تبصرہ کرتے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بوہیو صاحب کا خط (تمہیدی کلمات)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (۲۵/۳۰)

بخدمت جناب چیف جسٹس صاحب سپریم کورٹ آف پاکستان اسلام آباد اور
چیف جسٹس حضرات صوبہ جاتی ہائی کورٹس۔ کراچی، لاہور، پشاور، کوئٹہ نیز
صدر پاکستان و وزیراعظم پاکستان، اسلام آباد و وزاء اعلیٰ صوبہ جات پاکستان و
اسپیکر صاحب قومی اسمبلی اسلام آباد اور چیئرمین سینٹ پاکستان اسلام آباد و
اسپیکر صاحبان صوبہ جاتی اسمبلیاں۔ کراچی، لاہور، پشاور، کوئٹہ

فریاد

بخدمت جناب جج حضرات عدالت ہائے عالیہ پاکستان!

جناب اعلیٰ! عرصہ دراز سے دشمنانِ اسلام ڈنمارک، ناروے والے یا سلمان رشدی کے قلم سے جناب رسول اللہ سلام علیہ کی شانِ اقدس کے خلاف نہایت غلیظ قسم کی گستاخیاں کرتے آ رہے ہیں۔ ان کے ردّ میں امتِ مسلمہ کے غیور لوگ بھی احتجاج کرتے رہتے ہیں لیکن ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اپنے گھر کے علوم کی بھی چھان بین کریں کیونکہ دشموں کو ان کی گستاخیوں کا سارا مواد دین اسلام کے نام سے ایجاد کردہ علوم حدیث و فقہ سے ملا ہے جو کہ قرآن دشمن، امامی گروہ کا ایجاد کیا ہوا ہے، جن کے نہایت مختصر حوالہ جات

بطور نمونہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ ایسے علوم کو مدارس دینیہ کے نصابِ تعلیم سے خارج کروا کے ان کی جگہ خالص قرآن سے استخراج جزئیات کی تعلیم امت والوں کو پڑھائی جائے۔ نیز قرآن سے ملے ہوئے مسائل حیات نہ پڑھانے والے مدارس کی رجسٹریشن پر بندش عائد کی جائے۔۔۔۔۔اس کے بعد اعتراضات رقم ہیں۔

اعتراضات کا منصفانہ تجزیہ:

بوہیو صاحب نے احادیث نبویہ پر تقریباً ⑩ اعتراضات کیے ہیں۔ آیئے ان سب اعتراضات کا منصفانہ تجزیہ کرتے ہیں:

اعتراض نمبر ① :

علم حدیث کا رسول علیہ السلام پر بہتان اور تبرا

① آبادی سے دور کھجور کے باغ میں جونیہ نامی عورت لائی گئی تھی جسے رسول نے کہا کہ هبي نفسك لي تو خود کو میرے حوالے کر دے تو اس عورت نے جواب میں کہا کہ وهل تهب الملكة نفسها لسوقة ؟ یعنی کیا کوئی شہزادی اپنے آپ کو کسی **بازاری شخص** کے حوالے کر سکتی ہے؟ (حوالہ کتاب بخاری، کتاب الطلاق کے چوتھے نمبر والی حدیث) ہم اپنی طرف سے اس حدیث پر کوئی تبصرہ نہیں کر رہے۔

تجزیہ : اس حدیث میں یقیناً بوہیو صاحب کا اعتراض انہی الفاظ پر ہے جنہیں ہم نشان زدہ کر چکے ہیں۔ یہ اعتراض ترجمے کی غلطی سے پیدا ہوا ہے۔ سُوقَة کا ترجمہ ''بازاری'' کرنا عربی زبان سے مطلق جہالت کا کرشمہ ہے۔ صحیح معنیٰ کے مطابق اس سے مراد وہ شخص ہے جو بادشاہ نہ ہو۔ عربی زبان کی معروف اور معتبر لغت ''لسان العرب'' میں اس حدیث کا معنیٰ یوں مرقوم ہے:

فقال لها : ((هبی لی نفسک)) ، فقالت : هل تهب الملكة نفسها

للسوقة ؟ السُوقة من الناس الرعيّة ومن دون الملک .

''آپ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا: تو اپنے نفس کو میرے لیے ہبہ کر دے۔اس نے کہا: کیا کوئی شہزادی کسی غیر بادشاہ کے لیے اپنے آپ کو ہبہ کر سکتی ہے؟ سُوقہ سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا شمار رعایا میں ہوتا ہو اور وہ جو بادشاہ نہ ہوں۔''

نیز جو غلطی بوہیو صاحب نے کی ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

وکثير من الناس يظنّون أنّ السُوقة أهل الأسواق ، والسُوقة من الناس من لم يكن ذا سلطان . ''بہت سے لوگ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ سُوقہ بازاری لوگوں کو کہا جاتا ہے حالانکہ لوگوں میں سے وہ افراد سُوقہ کہلاتے ہیں جن کے پاس بادشاہت نہیں ہوتی۔''

(لسان العرب لابن منظور : ١٦٦/١٠، طبع دار صادر بيروت)

لغت عرب کی ایک اور معروف کتاب ''تاج العروس'' میں ہے:

والسوقة بالضمّ خلاف الملک ، وهم الرعيّة التی تسوسها الملک .

''سُوقہ کا لفظ بادشاہ کا متضاد ہے، یعنی وہ رعایا جن پر بادشاہ حکومت کرتے ہیں۔''

(تاج العروس لمرتضى الزبيدى : ٤٧٩/٢٥، طبع دار الهداية)

بازاری شخص کے لیے عربی میں سُوقِیّ کا لفظ مستعمل ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں: وأمّا أهل السوق فالواحد منهم سُوقیّ ، قال ابن المنير : هذا من بقيّة ما فيها من الجاهليّة ، والسوقة عندهم من ليس بملک كائنا من كان ، فكأنّ استبعدت أن يتزوّج الملكة من ليس بمک .

''رہے بازاری لوگ تو ان میں سے واحد کو سُوقی کہتے ہیں۔ابن منیر کا کہنا ہے کہ (یہ عورت نئی نئی مسلمان ہوئی تھی اور) یہ روش اس میں موجود جاہلیت کی باقی ماندہ باتوں میں سے ایک تھی۔عربوں کے ہاں سُوقہ اس شخص کو کہا جاتا تھا جو بادشاہ نہ ہو، چاہے وہ جو بھی ہو۔اس عورت نے بعید سمجھا کہ ایک شہزادی ایسے شخص سے شادی کرے جو بادشاہ نہیں۔''

(فتح الباری : ۳۵۸/۹، طبع دار المعرفۃ، بیروت)

اب بوہیو صاحب خود ہی اندازہ کر لیں کہ ان کا اعتراض علم حدیث پر ہے یا علم لغت سے اپنی ہی ناواقفیت پر؟ صدیوں پہلے عربی لغت دان، محدثین کرام اور شارحین حدیث اس بات کی بخوبی وضاحت کر چکے ہیں لیکن آج بھی منکرین حدیث ان سب باتوں سے غافل انکار حدیث کی دھن میں مست ہیں۔

اعتراض نمبر ② :

② سمعت أنس بن مالك : جاء ت امرأة من الأنصار إلى النبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم فخلا بها، فقال : واللّٰه إن كنّ لأحبّ الناس إلىّ **یعنی ایک انصاری عورت جناب رسول علیہ السلام کی خدمت میں آئی۔ آپ نے اس کے ساتھ خلوت کی، اس کے بعد اس سے کہا کہ قسم اللہ کی کہ تم (انصاری) عورتیں سب لوگوں میں سے مجھے زیادہ محبوب ہو۔ (کتاب النکاح، بخاری، حدیث نمبر ۲۱۸) اس حدیث پر بھی پڑھنے والے خود سوچیں، میں کوئی تبصرہ نہیں کر رہا۔**

تجزیہ : اس حدیث میں شاید دو باتیں بوہیو صاحب کو قابل اعتراض معلوم ہوئی ہیں۔

① رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کے ساتھ علیحدگی اختیار کی۔ اس سلسلے میں دو باتیں ملحوظ رہنی ضروری ہیں : پہلی یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی اس عورت سے خلوت اور علیحدگی ایسی نہیں تھی جو اسلام کی نظر میں حرام ہے اور جس میں شیطان تیسرا فرد ہوتا ہے۔ آپ ﷺ لوگوں کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوئے تھے بلکہ اس عورت کے ساتھ ایک راستے میں کھڑے تھے جہاں لوگ آپ ﷺ کو دیکھ رہے تھے۔ دوسری بات یہ کہ وہ ایک مجنونہ عورت تھی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ مجھ سے ملاقات کسی راستے میں کر لینا۔ یہ ملاقات ایک کھلے راستے میں ہوئی جہاں سے لوگوں کا گزر عام تھا، یہی وجہ ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کی گئی نبوی بات بیان سن لی اور پھر بیان کی۔ یہاں خلوت سے مراد کسی بند مکان میں ملاقات ہوتی تو

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو اس ملاقات کے احوال کیسے معلوم ہوتے؟ اگر یہی حدیث صحیح مسلم میں ملاحظہ کر لی جاتی تو سارے اشکالات ختم ہو جاتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے:

إنّ امرأة کان فی عقلها شیء ، فقالت : یا رسول اللّٰه ! إنّ لی إلیک حاجة ، فقال : یا أمّ فلان ! انظری أیّ السکک شئت حتّی أقضی لک حاجتک ، فخلا معها فی بعض الطرق ، حتّی فرغت من حاجتها .

''ایک عورت کی عقل میں کچھ فتور تھا۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام فلاں! تم کسی بھی گلی کا انتخاب کر لینا تا کہ میں آپ کی مدد کر سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستے میں اسے ملے یہاں تک کہ وہ اپنے کام (کی تفصیلات بتانے) سے فارغ ہوگئی۔'' (صحیح مسلم : ۲۳۲۶، طبع دارالسلام ، الریاض)

نیز یہ بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ اس عورت کے ساتھ اس کا ایک بچہ بھی تھا۔

(صحیح بخاری : ۳۷۸۶، طبع دار السلام، الریاض)

اس حدیث نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی تبرا نہیں کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طہارت و پاکیزگی کی انتہا بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجنونہ عورت سے بھی کسی الگ جگہ ملاقات نہیں کی بلکہ اسے لوگوں کے عام گزر والی گلی میں بلا کر اس کی بات سنی تا کہ کوئی شک وشبہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت متواضع اور حلیم طبیعت کے مالک تھے، آپ چھوٹے بڑے ہر ایک کی داد رسی کرتے تھے حتی کہ مجنونوں کی بھی، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وفیه سعة حلمه وتواضعه صلّی اللّٰه علیه وسلّم وصبره علی قضاء حوائج الصغیر والکبیر ...**

''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ حلیم اور متواضع تھے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ چھوٹے، بڑے ہر ایک کی داد رسی کیا کرتے تھے۔''

(فتح الباری لابن حجر : ۳۳۳/۹، طبع دار المعرفة، بیروت)

اب بوہیو صاحب بتائیں کہ کیا یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان اور تبرا ہے؟

④ رہی بات رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی کہ انصاری عورتیں مجھے سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب ہیں۔۔۔تو اس میں کون سا اعتراض ہے؟ اس سے بس انصاری عورتوں کی دوسری عورتوں پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ بات صرف انصاری عورتوں کے لیے نہ تھی بلکہ انصاری مرد بھی رسول اللہ ﷺ کی نظر میں دوسرے عام مَردوں سے افضل تھے۔ انصار سے رسول اللہ ﷺ کو خاص محبت اور انس تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أوصيكم بالأنصار ، فإنّهم كرشي وعيبتي ، وقد قضو الذى عليهم وبقى الذى لهم ، فاقبلوا من محسنهم وتجاوزوا عن مسيئهم))

''میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں ، کیونکہ یہ میرے خاص لوگ اور میرے راز دان ہیں۔انہوں نے اپنے فرائض پورے کر لیے ہیں اور اب ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں۔تم ان کے نیک لوگوں کی بات قبول کرنا اور بُرے لوگوں سے درگزر کرنا۔''

(صحیح البخاری : ۳۷۹۹، صحیح مسلم : ۲۵۱۰، طبع دار السلام، الریاض)

مزید تفصیلات کے لیے کتب حدیث میں انصار کی فضیلت ومنقبت کے ابواب ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ایک موقع پر انصار کی عورتوں اور بچوں کو آتے دیکھ کر آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور تین مرتبہ فرمایا: ((اللّٰهمّ ! أنتم من أحبّ الناس إليّ ، يعنى الأنصار))

''اللہ گواہ ہے کہ تم انصاری لوگ مجھے سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب ہو۔''

(صحیح البخاری : ۳۷۸۵، صحیح مسلم : ۲۵۰۸، طبع دار السلام، الریاض)

معلوم ہوا کہ اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں انصار کی عورتوں کا مقام ومرتبہ دوسری عورتوں سے بلند تھا۔اس سے کوئی اور مراد لینا کسی شخص کی اپنی ہی ذہنی پستی اور عقلی درماندگی کا ثبوت ہے۔ جاری ہے۔۔۔